م۔ بشیر

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

(مشاہیر کی نظر میں)

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ایک جامع الصفات شخصیت تھے۔ وہ تاریخ کے ان نادرۂ روزگار یگانوں میں سے تھے، جو تمام شعبہ ہائے حیات میں علم و فضل کے حسین امتزاج کی ابدی شمعیں فروزاں کر جاتے ہیں۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ بیک وقت، عالم، محدث، فقیہہ، عارف، شعلہ بیان خطیب، شیریں مقال واعظ، مصلح بے نظیر، سپہ سالار بے عدیل، بیشۂ بسالت و شجاعت کے ضرغام وحید اور السنۂ ثلاثہ (عربی، فارسی اور اردو) کے ممتاز و منفرد مصنّف اور ادیب تھے۔

ان کے زرّیں کارناموں اور شخصی کردار کی عظمت کے پیشِ نظر جن اکابر و مشاہیر نے انھیں خراجِ تحسین پیش کیا ہے، ان سب کا احاطہ تو ایک مستقل تصنیف کا متقاضی ہے، تاہم مشتے از خروارے کے مصداق چند مشاہیر کے اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز نے ایک مرتبہ فرمایا:

"تفسیرِ قرآن میں عبدالحی میرا نمونہ ہے اور تحریر میں رشید الدین، حدیث میں مرزا حسن علی اور فقہ میں اسحٰق"۔ شاہ اسمٰعیل شہید کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: "اسمٰعیل کا علم کسی خاص شعبے میں محدود نہیں، جن لوگوں نے میرے عہدِ شباب کا علم دیکھا ہے، انھیں اس کا نمونہ دیکھنا ہو تو اسمٰعیل کو دیکھ لیں"۔[1]

صدر الصدور مولوی عبدالقادر خان رامپوری مصنف وقائع عبدالقادر خانی شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دہلی میں مولوی محمد اسمٰعیل حُسنِ بیان، قوتِ استنباط اور تیزیٔ ذہن میں، اس زمانہ میں اپنے دادا اور چچاؤں کی یادگار تھے۔ مخلوق کو ان بدعات سے روکنے پر جو مستحبات بلکہ واجبات میں مخلوط

---

[1] مولانا غلام رسول مہر، سید احمد شہیدؒ، ج ۱، ص ۱۱۸

ہوگئی ہیں، ہمت بلند صد کمی تھی جمعہ کے دن جامع مسجد میں اور دوسرے دنوں میں دیگر مقامات پر وعظ فرماتے عوام ان کے وعظ و پند سے بہت نفع اٹھاتے تھے۔"[۵۲]

صدر الصدور مفتی محمد صدر الدین آزردہ دہلوی رقم طراز ہیں :

" مولوی اسمٰعیل صاحب کو ایسا دیکھا کہ پھر کسی کو ایسا نہ دیکھا، یہ لوگ ان میں سے ہیں جن کے حق میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے فرمایا ہے :

اور چاہیے کہ رہے تم میں ایک جماعت بلاتی نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے پسندیدہ بات کا اور منع کرتی رہے ناپسند کو اور وہی پہنچے مراد کو۔ (پ ۴ - آل عمران)

اور یہ فرمایا :

تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں، یہی لوگ ہیں امیدوار اللہ کی رحمت کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اللہ خاص کرتا ہے اپنی مہربانی جس پر چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"[۵۳] (البقرہ پ۲)

مولانا عبدالحیؒ مؤلف "نزہۃ الخواطر" تحریر فرماتے ہیں :

" شاہ اسمٰعیل شہیدؒ وقت کی نادرۂ روزگار ہستی تھے۔ علمی افادہ و استفادہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ حسنِ اخلاق، پاکیزہ فطرت، دلیری۔ دین میں مضبوطی آپ کے اوصافِ عالیہ تھے"[۵۴]

مولانا سید احمد حسن صاحبؒ امروہوی اپنے ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں :

فاضل جلیل علامہ بے عدیل مولانا محمد اسمٰعیل خدا ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، کے شایانِ شان یہ دو جملے ہیں :

عاش حمیداً و مات شہیداً - (ان کی زندگی قابلِ تعریف تھی اور ان کی موت شہادت تھی)[۵۵]

مفتی سعد اللہ رامپوریؒ تلمیذ شاہ عبدالعزیزؒ رقم فرما ہیں :

مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم عالم ربانی اور فیوضِ خداوندی کا مظہر تھے۔ علومِ عقلیہ و نقلیہ کے ایسے ماہر تھے کہ ہم عصر مشہور علما کی ناطق زبانیں ان کی تعریف و توصیف میں لال تھیں۔ اہلِ علم کے حاسدین کے لیے ان کے سامنے سوائے سرمۂ خوشی کے کوئی حرف منہ سے نکالنا محال تھا۔ شرعی مسائل اور امورِ دینی کی رہنمائی میں، میں نے ان کو لا یخافون لومۃ لائم (کسی

---

۵۲ عبدالقادر خاں، وقائع عبدالقادر خانی ۔ ج ۲ (اردو) ص ۲۳۲

۵۳ مفتی صدر الدین بحوالہ عزیز الدین مراد آبادی، اکمل البیان ص ۴۹

۵۴ عبدالحی - نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۵۰

۵۵ احمد حسن امروہوی بحوالہ اکمل البیان مصنفہ عزیز الدین مراد آبادی، ص ۴۷

ملامت گر کی ملامت کی پروا نہ کرنے والے) کا مصداق پایا ہے۔ ان کے دینی خلوص، حق گوئی، صدق نیت اور حسن طبیعت پر ان کے اعمال و آثار مثل آفتاب نصف النہار کے شاہد عادل ہیں[۵۶] (ترجمہ)

مولانا فضل حق خیرآبادی اگرچہ شاہ اسمٰعیلؒ سے معاصرانہ چشمک میں پیش پیش رہے، تاہم جب ان کی شہادت کی خبر سُنی، اس وقت وہ ایک طالب علم غلام یحییٰ کو درس دے رہے تھے، یہ خبر سنتے ہی انھوں نے کتاب بند کردی اور سناٹے کے عالم میں کئی گھنٹے خاموش بیٹھے روتے رہے، اس کے بعد فرمایا:

"اسمٰعیل کو ہم مولوی نہیں جانتے تھے بلکہ وہ اُمتِ محمدیہ کا حکیم تھا، کوئی شے نہ تھی جس کی انّیت اور لمیّت اس کے ذہن میں نہ ہو۔ امام رازی نے اگر حاصل کیا تو دودِ چراغ کھاکر، اور اسمٰعیل نے محض اپنی قابلیت اور استعدادِ خدا داد سے"[۵۷]

نواب صدیق حسن خانؒ "حضرت شاہ ولی اللہ ابن عبدالرحیم دہلوی" کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

"مولانا شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے دادا جان کی قولاً فعلاً پوری پوری متابعت کی، جس کام کی ان کے دادا نے ابتدا کی اور جس کو انھوں نے بلندی کی روح پر پہنچایا، اس کام کا کچھ حصّہ باقی تھا، جس کی تکمیل ان کے جانشین پوتے نے کی۔...... انھوں نے بہت سی مُردہ سنّتوں کو زندہ کیا اور شرک و بدعت کے بہت بڑے حصّے کو ختم کیا ہے۔ حتّٰی کہ اپنے ہمعصروں سے قدمِ فضیلت آگے بڑھانے میں کامیاب ہوئے اور اس راہ میں بالآخر شہادتِ علیا پر فائز ہوئے اور جامِ شہادت نوش کرکے اپنی اُنتہائے آرزو کو پہنچے۔"[۵۸]

دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

"وہ (شاہ اسمٰعیل شہیدؒ) خدا کی راہ میں اس وقت نکلے جس وقت اُمّت میں قرآن و حدیث پر عمل تباہ ہو چکا تھا، انھوں نے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھاما، قرآن کی ہدایات کو پوری قوّت سے لے کر چلے، یہی ان کے رسولؐ کی ان کو وصیّت پہنچی تھی اور یہی اُن کو قرآن نے پیغام دیا تھا"[۵۹]

پھر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی شخصیت کے جملہ پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

---

[۵۶] مفتی سعد اللہ رامپوری بحوالہ اکمل البیان، مصنفہ عزیزالدین مراد آبادی، ص ۷۹۵

[۵۷] فضل حسین - الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۱۰ [۵۸] نواب صدیق حسن خاں، الحطۃ بذکر صحاح ستہ، ص ۶۰ [۵۹] ایضاً، ص ۶۱

"آج یہ تمام ترشریعت کی ترویج اور مشرق سے مغرب تک بدعات و منکرات کی نفرت جو ہم دیکھ رہے ہیں، اور یہ بھی کہ نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی کثرت ہے، علوم دینیہ کا چرچا ہے، ہندوستان میں مساجد آباد ہیں۔ یہ اُن کی اور مولوی عبدالحی مرحوم کی تبلیغی مساعی کا نتیجہ ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ بارہ صدیوں میں ان دو عالموں (جو اپنے شیخ کے بطور وزیر کے تھے) جیسا کوئی مبلغ پیدا نہیں ہوا۔ ان کے عہد میں اسلام کو رونق ملی، ماثورہ سنتیں کو جو عرصے سے ناپید ہو چکی تھیں، انھیں بزرگوں کی بدولت حیاتِ تازہ نصیب ہوئی، مولانا محمد اسمٰعیل کے وعظ و نصائح کی حکایات، اور اس مردِ ربانی کے طرزِ بیان کی اثر پذیری کے واقعات اتنے کثیر ہیں کہ موافق و مخالف یک زبان ہو کر ان کی تاریخی سچائی کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس بات کو بیان کرنے کے لیے ایک تفصیل چاہیے کہ کس طرح شرک و بدعت کی رسمیں فنا ہوئیں اور اس سرزمین سے بدعات و کفریات کی جڑیں اکھڑ گئیں۔

اتباعِ سنت اور بدعات سے اجتناب کا جو بیج حضرت شاہ ولی اللہ محدث رضی اللہ عنہ نے اس ملک میں بو دیا تھا، وہ پودا ان حضرات کے دور میں برگ و بار آور ثابت ہوا، اُدھر سے ابتدا ہوئی اور اِدھر ایک تناور درخت بن گیا۔

معقول و منقول دونوں علوم میں ان کو اپنے اسلاف کی سی دستگاہ حاصل تھی، ائمہ کے اصول و فروع میں جب کلام کرتے تو اس فن کے امام نظر آتے، کسی بھی فن میں کسی کے ساتھ ان کا مناظرہ ہو جاتا تو معلوم ہوتا کہ وہ اس فن کے گویا حافظ ہیں۔ اصولِ فقہ نوکِ زبان تھے، حساب کا علم ان کی انگلیوں پر تھا اور قرآن و حدیث تو جیسے ان کے سینے میں محفوظ ہیں، منقولات و فقہ میں وہ کہنہ مشق اُستاد معلوم ہوتے تھے، مزے کی بات یہ کہ دیگر علما کی طرح درس و تدریس و تعلیم ان کا مشغلہ تھا اور نہ کتابیں زیرِ مطالعہ رکھتے تھے، خداداد ذہانت اور طبعِ نفیس کی بدولت متحیرین اور بڑے بڑے علما کے سامنے ہمیشہ سب سے آگے رہتے۔

حج اور جہاد کے سلسلہ میں عرب و عجم کا سفر کیا، علمائے عصر سے علمی مباحثے ہوئے، چنانچہ عرب میں شیخ محمد عابد سندی اور ہندوستان میں مولوی فضل حق سے علمی اور مسلکی جھڑپ ہوئی، مگر فتح و اقبال کا جھنڈا شاہ اسمٰعیل شہید کے ہاتھ رہا، مقابل کو شکست پر شکست ہی ہوا کی۔ ان مناظروں کے مسائل و عنوانات مشہورِ عالم ہیں، بیان کی حاجت نہیں۔

انھوں نے اپنی تمام عمر کلمۃ اللہ کی سربلندی، سنتِ رسول اللہ کی نشر و نما، جہاد فی سبیل اللہ اور

انسانیت کی رہنمائی میں گزاری۔ وہ ایک دم کے لیے بھی بلادِ اسلام میں کسی بھی جگہ آرام کے لیے نہ بیٹھے، تمام تصانیف جو انتہائی ضرورت کے مواقع پر اور رفقا کی درخواست پر لکھی گئیں، اکثر دورانِ سفر تحریر میں آئیں جن پر نظرِ ثانی کی نوبت ہی نہ آئی، مگر اس کے باوجود مضامین کی بلاغت و تاثیر، املا کی فصاحت، رعنائیِ کلام کی لطافت اور معانی کی تحقیق، تمام تصانیف میں ایسی زوردار ہے کہ ہم عصروں کے انداز و طرز سے بڑھ کر سلف کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ اگر اطمینانِ خاطر اور جمعیتِ قلبی کے ساتھ وہ یکسو ہو کر تصنیف و تالیف کا کام کرتے تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا کارنامے انجام دے ڈالتے!

یہ ذہانتِ طبع، بیدار مغزی اور افکارِ عالیہ جن کا تعلق شرعِ مبین کے تقاضوں کو کمالِ تشریح کی روشنی میں اجاگر کرنا تھا۔ بالآخر اہلِ زمانہ کے حسد اور بدعقلیوں کی عداوت و افتراع کا موجب ہوئے۔ کبھی ترکِ حنفیت کی تہمت لگائی گئی تو کبھی وہابی ہوجانے کی خبر مشہور کی گئی۔ اس طوفانِ بدتمیزی میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان حضرات کو معتزلی اور خارجی بنا ڈالا گیا، اس افراط میں اپنے نامۂ اعمال کی طرح ان لوگوں نے اپنا چہرہ بھی سیاہ کر لیا، یہ تصانیف آج بھی ہمارے سامنے موجود ہیں، اہلِ انصاف بتلائیں کہ کس موقع پر ان کا معتز یا خارجی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دراصل اس دروغ بافی سے ان طالبینِ دنیا کا مقصود یہ ہے کہ مخلوق خدا کو اللہ تعالیٰ کے ایک سچے اور مخلص بندے سے متنفر کیا جائے

شریعت سے دوری اس قدر تھی کہ ہر طرف بدعت کے بازار گرم تھے، تا آنکہ ان حضرات کے کام کی برکت سے بدعت کے پردے چاک ہوئے۔ ماضی میں بزرگانِ دین کی محنتوں سے دین کی جو شکل تھی و عوام کے ذہنوں میں پھر نمایاں ہوئی۔ ان کے فہم میں دین کی سمجھ پیدا ہوئی، اہلِ بدعت کے رنگ ڈھنگ باطل ہونے لگے، عوام نے سمجھ لیا کہ ان کے طریقوں پر چلنے سے شریعتِ حقہ نصیب نہ ہوگی۔ یہی وجہ اہلِ بدعت کے شور و غوغا کی کچھ پیش نہ چلی، حق تعالیٰ کو اپنے کچھ بندوں بلکہ اکثر بندوں کی جو ہدایت منظو تھی، پردۂ عدم سے وہ ظہور میں آ کر رہی، بے شمار مخلوق نے جہنم کے راستہ پر چلنے سے توبہ کر کے صراطِ مستق کو اختیار کیا و للہ الحمد۔ غرض ہدایت کا ابرِ رحمت تھا جو اہلِ دل مسلمانوں پر خوب برسا۔

ان کے مخالفین میں اگر انصاف ہے تو معمولی سی فکر سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ ان کے دَ جو آج نماز روزہ کا یہ اہتمام پایا جاتا ہے۔ یہ سب انھیں بزرگوں کی بدولت ہے، ورنہ ہندوستا میں علما و مشائخ تقریباً تمام ہی کا یہ حال ہو چکا تھا۔ (اِلّا ماشاء اللہ) کہ اتباعِ دین اور احکامِ اسلام

عمل سے ان کو کوئی واسطہ نہ رہ گیا تھا۔ اپنے نفوس کی اصلاح کی فکر نہ تھی، درس و تعلیم کا یہ حال تھا کہ فقہ، حدیث، فنونِ شرعیہ اور علومِ دینیہ میں اشتغال نہیں تھا، ان کے تمام علمی کمالات، معقولات کی کتابوں کو پڑھنے پڑھانے میں منحصر ہو چکے تھے، یاد یاروں میں فضیلت وجاہ اور علمی مشیخت کا سکہ بٹھانے کی فکر میں رہتے تھے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یک لخت فراموش کر چکے تھے۔ اپنی اپنی مشیخت کے لیے طویل و عریض دعاوی تھے، یا مناقب و مفاخر کی داستانیں تھیں۔

حق تعالیٰ نے جب ان کے وجودِ گرامی کو خلق کی ہدایت کے لیے برپا کر دیا، حق گوئی اور حق کی رہنمائی کا عزم ان کے سینہ میں بھر دیا۔ جاہل، عالم، فقیر، امیر تمام مخلوق گویا خواب سے بیدار ہو گئی۔ حق و باطل، درست اور غلط اور حرام و حلال میں تمیز ہوئی۔ اگرچہ بعض یا اکثر مسائل میں ان کی مخالفت بھی ہوئی، مگر اس مخالفت کی بنیاد انصاف پر نہ تھی۔ بلکہ سراسر تعصب پر مبنی تھی، حق یہ ہے کہ نہ صرف وہ بلکہ جملہ علما متقدمین نے یہی کچھ فرمایا ہے، ان لوگوں کے اقوال و افعال کوئی نئے نہ تھے جن کی اطاعت ناواجب قرار دی جائے۔ حکم تو شارع علیہ السلام ہی کا چل سکتا ہے، فقہا و محدثین قدما کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ سنت کی نصرت اور بدعت و شرک کی تردید میں جو کچھ انھوں نے کہا ہے مولوی اسمٰعیل سے اس کا دسواں حصہ بھی بروئے کار نہیں آیا، لیکن ابنار زمانہ کی نظر میں صرف متاخرین کے اقوال تک محدود نھیں، اور اہلِ سنت والجماعت کے مذاہب و تالیفات و تاریخ اور ان کے طبقات پر نظر نہ تھی، مخالفت کا بازار گرم کر دیا گیا۔

آج اگر کوئی اتباع کی زندگی میں ایک حرف جانتا سمجھتا ہے تو اپنے مذہب کے چند فروعی مسائل میں التزام کی حد تک محدود ہے، اگر ان کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ نئے مذہب کی ایجاد کی گئی ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

ببیں تفاوتِ رہ از کجا ست تا بہ کجا

حالانکہ اس باب میں ان حضرات نے سلف صالحین کی اقتدا سے ایک قدم باہر نہیں نکالا اور سراسر احوط پر عمل کی کوشش کی گئی ہے جو سنت سے ماخوذ ایک راہِ عمل ہے، لیکن جہالت کی فساد انگیزیاں اور تعصب کی نگری اندھی ہوتی ہے، حق تعالیٰ ہمارے دینی بھائیوں کو انصاف کی توفیق دے۔ شاہ صاحب کی تالیفات فقہ، حدیث، اصول وغیرہ میں نایاب نہیں ہیں، یہ تمام کتابیں بہت نافع اور اہلِ حق یہ

ہمیشہ مقبول رہی ہیں[۱۴]

سرسید احمد خاں اپنی چشم دید کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" شاہ اسمٰعیل شہید نے جہاد فی سبیل اللہ کی تبلیغ شروع کی تو ان کی صیقل تقریر سے مسلمانوں کا آئینہ باطن مجلّی ہو گیا اور وہ چاہنے لگے کہ ان کے سر راہِ خدا میں کٹیں اور جانیں لوائے محمدیؐ کی سربلندی کے لیے قربان ہوں"[۱۵]

اس کے بعد وہ شاہ اسمٰعیل شہید کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

" ذکر اس زبدۂ ارباب کمال کا داعی ہے کہ ہزار ہزار محامد پسندیدہ کو زبان پر لا کر ان کے آتشِ شوق کو تسکین دے۔

گہ نثار کند بر سر زبان چشمم مرا چو نام شریفِ تو بر زبان آید"[۱۶]

مولانا ابو الکلام آزاد شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے معرکۂ دعوت و عزیمت کا نقشہ کھینچتے ہوئے رقمطراز ہیں:

" اور کچھ چند قدم اور آگے بڑھو، مقامِ عزیمت و دعوت کی کیسی کامل اور آشکارا مثال سامنے آتی ہے۔ ساری مثالوں سے آنکھیں بند کر لو، صرف یہی ایک مثال زیرِ بحث حقیقت کے فہم و کشف کے لیے کافی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام ہر رنگ میں کس درجہ جامع و کامل ہے۔ بایں ہمہ یہاں جو کچھ ہوا، تجدید و تدوینِ علوم و معارف اور تعلیم و تربیتِ اصحابِ استعداد تک محدود رہا۔ اس سے آگے نہ بڑھ سکا، فعلاً عمل و نفاذ اور ظہور و شیوع کا پورا کام تو کسی دوسرے ہی مردِ میدان کا منتظر تھا۔ اور معلوم ہے کہ توفیقِ الٰہی نے یہ معاملہ حضرت علّامہ و مُجدّد شہید رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص کر دیا تھا۔ خود حضرت شاہ صاحب کا بھی اس میں حصّہ نہ تھا:

می خواست است خیز ز عالم بر آورد آں باغباں کہ تربیتِ ایں نہال کرد

اگر خود شاہ صاحب اس وقت ہوتے تو انہی کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے۔ حضرت پیر انصاری کا قول یاد رہے:

"من مرید خرقانی ام لیکن اگر خرقانی دریں وقت می بود، باوجود پیریش مریدی من می کرد"

شاہ صاحب نے مزاجِ وقت کے عدمِ تحمل و استعداد سے مجبور ہو کر بہ حکم:

---

۱۴ صدیق حسن خان، اتحاف النبلاء المتقین باحیا مآثر الفقہاء المحدثین، ص ۴۱۷، ۴۱۸

۱۵ سرسید احمد خاں، تذکرہ اہلِ دہلی، ص ۱۱۶ ۱۶ ایضاً، ص ۱۱۷

بہ رمز نکتہ ادا می کنم کہ خلوتیاں   سر سبو بکشادند در فرو بستند

دعوت و اصلاح امت کے جو بھید کہ پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلے کے حجروں میں دفن کر دیے تھے، اب اس سلطانِ وقت و اسکندرِ عزم کی بدولت شاہجہان آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ مچ گیا، اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑے بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی وہ اب سرِ بازار کی جا رہی اور ہو رہی تھیں اور خونِ شہادت کے چھینٹے حرف و حکایت کو نقوش و سواد بنا کر صفحۂ عالم پر ثبت کر رہے تھے

آخر کو لائیں گے کوئی آفت فغاں سے ہم   حجت تمام کرتے ہیں آج آسماں سے ہم

پھر کیا اس وقت ہندوستان علم و عمل سے خالی ہو گیا تھا؟ یا حق پر چلنے والے اور حق کا درد رکھنے والے معدوم ہو گئے تھے؟ کون ہے جو ایسا کہہ سکتا ہے؟ خود اسی خاندانِ عالی میں کیسے کیسے اکابر و اساتذۂ علم و عمل موجود تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کے درس و تدریس کی بادشاہت سمرقند و بخارا اور مصر و شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین علم و عمل کے آفتاب تھے۔ خاندان سے باہر اگر ان کے تربیت یافتوں کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جہاں ان کا فیضانِ علم کام نہ کر رہا ہو، بایں ہمہ یہ کیا معاملہ ہے کہ یہ وقت کا ایک سب سے بڑا کام تھا، اس کے لیے کسی کے قدم کو جنبش نہ ہوئی، سب دوسرے دوسرے کاموں میں رہ گئے، یا حجروں کا کام یا مدرسوں کا۔ لیکن میدان والا معاملہ کسی سے بھی بن نہ آیا؟ وہ گویا ایک خاص پہناوا تھا جو صرف ایک ہی جسم کے لیے تھا اور ایک ہی پر چست آیا۔ اس کے لیے خلعت حکمت و عظمت اور تشریف قبول کاندھے پہ ڈالے منتظر کھڑی تھی۔ زمانہ اپنے سارے سامانوں کے ساتھ کب سے اس کی راہ تک رہا تھا۔ امیدواروں پر امیدوار تھے، یکے بعد دیگرے گزرتے رہے مگر اس کا مستحق کوئی نہ نکلا

بارِ غم او عرض بہر کس کہ نمودم   عاجز شد و ایں قرعہ بنامم زسر افتاد[۱۳]

برعظیم پاک و ہند کے عظیم مفکر اور نظریۂ پاکستان کے پیش کار ڈاکٹر سر محمد اقبال نے یورپ سے واپسی پر برصغیر کے سیاسی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا:

"اگر مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے بعد ان کے مرتبے کا ایک مولوی بھی پیدا ہو جاتا تو آج ہندوستان کے مسلما

۱۳۔ ابوالکلام آزاد، تذکرہ، ص ۲۶۰، ۲۶۱

ایسی ذلت کی زندگی نہ گزارتے ہیں۔[۱۳]

مولانا غلام رسول مہرؒ رقمطراز ہیں :

"پاک و ہند کی وسیع سرزمین میں علم و فضل، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، وعظ و ارشاد، تجدیدِ دین، احیائے اسلامیت اور اصلاحِ امت کی ایسی بلند نسبتیں شاید ہی کسی کے حصے میں آئی ہوں، جن سے شاہ اسمٰعیل مشرف ہوئے۔ اور ایسی گراں بہا میراث بھی بہت کم لوگوں کو ملی ہوگی۔ شاہ اسمٰعیل نے ان نسبتوں کی بلندی اور اس میراث کی گراں بہائی نہ محض قائم رکھی بلکہ عملاً ان کی زینت و زیبائی بدرجہا بدخشاں تر بنا دی"[۱۵]

پاکستان کے معزز اور نامور عالمِ دین مولانا محمد یوسف بنوریؒ لکھتے ہیں :

"جب کہا جائے کہ فلاں شخص اپنے کمالاتِ ایمانی، اخلاص، علم و عمل، جہاد و ایثار، کٹھن مشکلات کی برداشت اور اتباعِ سنت میں صحابی کے مشابہ ہے تو یہ بات اس مفاخر و کمالات کے اظہار میں نہایت عالیشان تعبیر کہی جائے گی۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اسی مدح و توصیف کے لائق تھے، کیونکہ حضراتِ صحابہؓ کی زندگی سے ان کی زندگی کو بڑی مشابہت حاصل تھی۔ سرزمینِ ہند کو بجا طور پر حق پہنچتا ہے کہ وہ ان کے نقوشِ حیات پر جس قدر بھی فخر کرے، کم ہے، ان کی زندگی اس وقت تابناک ہو کر ابھری جب تمام عالمِ اسلام میں اس دور کے لحاظ سے گویا قحط الرجال تھا۔

قدرت نے ان کو جس فطری جوہر سے آراستہ کیا تھا، وہ اس کی تابناکی میں، اتباعِ سنّت نبویؐ کے سخت عامل اور نئی پیدا شدہ بدعات سے سخت متنفر تھے۔ ان کا گھرانہ علمی تھا، انھوں نے قرآن و سنّت کی صاف ستھری آوازوں میں علمی و عملی ذوق کو پروان چڑھایا تھا۔ ان کو ورثہ میں علم و یقین کی وہی کشادہ راہیں ملیں، جن پر مشیّت کی رہنمائی ہمیشہ ہوتی چلی آئی ہے، چنانچہ ان کی زندگی احیائے سنت اور تطہیرِ بدعت کے لیے وقف ہو چکی تھی۔ ان کی زبان اس معاملہ میں سونتی ہوئی تلوار، ان کا دل اور حوصلہ کوہِ بلند، ان کی قوتِ فکری برقِ تپاں، ان کا عزم شمشیرِ بُرّاں اور ان کا عمل ایک سیلِ جرّار تھا۔

شاہ اسمٰعیل نے آثارِ نبوت پر فنا ہو جانے کو اپنا مقصدِ وحید قرار دیا تھا، وہ جب منبر پر ہوتے تو موسلا دھار بارش بن کر برستے، ان کے وعظ کی بلیغ تاثیر سے پتھر دل موم ہو جاتے، جب کفار سے نبرد آزمائی کے لیے میدانِ جہاد

---

۱۴ محمد ابراہیم میر۔ تاریخ اہلِ حدیث، ص ۴۲۲ ۱۵ غلام رسول مہر۔ مقدمہ تقویۃ الایمان، ص ،

یں اُترتے تو یوں لگتا کہ وہ شیر بیشہ ہیں، عسکری قابلیت ہی میں اپنی عمر کا تمام حصّہ صرف کر کے چلے آ رہے ہیں اللہ جب حقائقِ الٰہیہ، معارفِ ربانیہ اور دقائقِ حکمت میں قدم رکھتے تو گویا قدرت نے اُن کے ہاتھ میں صحیح نشانہ پر تیر مارنے والی کمان عطا کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بساطِ ہند پر اس اخیر دَور میں ان کے حیرت انگیز کمالات کا جامع آدمی تاریخ میں نظر نہیں آتا، اس قدر جامع اور متنوع شخصیت کے مالک تھے کہ حیاتِ صحابہؓ کی جھلک نظر آتی تھی۔ قوتِ ایمانی، سنت کے ساتھ بے نظیر گرویدگی، دنیا سے نفرت، جہاد فی سبیل اللہ سے عشق، ہر محبوب سے محبوب شے کی خدا کی راہ میں قربانی، رضا حق کی راہ میں فنا ہو جانے کے لیے ہمہ وقت مستعد۔ وہ نہایت صاف ستھرے چشموں سے مستفید ہوئے تھے، شاہ ولی اللہ دہلوی ان کے دادا، شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے برادرانِ کرام ان کے چچا تھے۔ عارف اور مجاہدِ کبیر شیخ سید احمد بریلوی شہید ان کے امام و مرشد تھے۔ ان کا قلبِ عظیم اخلاص کی روشنی سے منور تھا۔ عظیم مجاہدوں اور ریاضتوں میں انھوں نے اپنی زندگی کا حصّہ صرف کیا تھا۔ غرض ان کی زندگی ہر پہلو سے حیرت انگیز ہے۔ سچ یہ ہے کہ وہ مشیتِ الٰہیہ کا شاہکار تھے۔[۵]

برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم مولانا محمد میاںؒ رقمطراز ہیں:

"حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی سپاہیانہ زندگی کے ساتھ جب (آپ کی) علمی خدمات پر نظر پڑتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ یگانۂ روزگار ایک مافوق الفطرت حیات کا مالک ہے، جس کی مثال کے لیے تمام دنیا کی تاریخ میں چند نفوس کے سوا زائد افراد نہیں مل سکتے"[۶]

سید ابوالاعلیٰ مودودی شاہ اسمٰعیل شہید کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"صحیح معنوں میں اسلامی جہاد اس سرزمین پر صرف ایک ہی مرتبہ ہوا، اور یہ وہی جہاد تھا جس کے امیر حضرت سید احمد بریلوی اور سپہ سالار حضرت شاہ اسمٰعیل شہید تھے۔ پہلے کی لڑائیاں نہ تو خالصتاً للہ تھیں اور نہ ان کی تہ میں خالص اسلامی سیرت تھی، نہ ان میں اسلامی قوانینِ جنگ کی پابندی کی گئی نہ ان کے نتیجہ میں خلافتِ الٰہیہ کبھی یہاں قائم ہوئی اس لیے وہ بس لڑائیاں تھیں۔

۵۔ محمد یوسف بنوری، مقدمہ "عبقات" (عربی)، ص ۱-۴

۶۔ محمد میاں دہلوی، مولانا۔ "الشہید بن الشہیدین" طبع اوّل، دہلی، ص ۲۳

دنیوی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا واقعہ پچھلی عظیم الشان فتوحات اور سلطنتوں کے مقابلہ میں اتنا حقیر نظر آتا ہے گویا پہاڑ کے سامنے رائی کا ایک دانہ ہے لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس ملک میں اسلامی تاریخ کا یہ واقعہ سب سے درخشاں ہے اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خدا کی میزان میں ہندی مسلم قوم کے دوازدہ صد سالہ کارنامے میں سے جتنا حصہ خیر کے پلڑے میں رکھے جانے کے قابل ہوگا اس کا سب سے زیادہ وزنی جزیہی ہوگا"[۱۸]

مولانا سعید احمد اکبرآبادی مدیر "برہان" دہلی رقمطراز ہیں :

"اگر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی شاندار کوششوں پر نظر ڈالی جائے تو آپ سے بڑا ہیرو (HERO) دکھائی نہ دے گا۔ ایک طرف تو وہ غیر اسلامی رسوم و عقائد کے خلاف قلمی اور لسانی جہاد میں مصروف تھے، اور دوسری طرف میدانِ جنگ میں تلوار لیے گھوڑے پر سوار۔ یعنی ایسی پاکیزہ صفات کا ذاتِ واحد میں مجتمع ہونا نہایت نادر چیز ہے"[۱۹]

ڈاکٹر محمد باقر شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں :

"خلافتِ راشدہ کے بعد اسلام نے حقیقی اسلامی نمونے کے مسلمان بہت کم پیدا کیے ہیں اور مولوی شاہ محمد اسمٰعیل جیسے راسخ العقیدہ مسلمان تو اس سے بھی کم پیدا ہوئے ہیں"[۲۰]

---

۱۸ سید ابوالاعلیٰ مودودی، دیباچہ "شاہ اسمٰعیل شہیدؒ" - ص ۱۹-۲۰

۱۹ سعید احمد اکبرآبادی، "اسلامی انقلاب کا پہلا علمبردار" مقالہ مشمولہ شاہ اسمٰعیل شہید، ص ۱۷۴-

۲۰ ڈاکٹر محمد باقر، "انیسویں صدی کا مجاہد مصلح" مقالہ مشمولہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، ص ۳۳-